ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی

کلامِ امیر خسرو میں ہجو و مزاح کا عنصر

امیر ناصر الدین ابوالحسن خسرو نام۔ امیر سیف الدین محمود[1] کے بیٹے تھے۔ اپنے دور کی فارسی شاعری کے پیغمبر مانے جاتے تھے۔ شروع میں انھوں نے سلطانی[2] اور بعد میں خسرو تخلص اختیار کیا۔ ان کے اسلاف تیرھویں صدی عیسوی میں ماوراءالنہر سے برصغیر پاکستان و ہند میں وارد ہوئے۔ امیر سیف یہاں شمس الدین ایلتتمش کے دربار میں رسائی پاکر اس کے امرا میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انھوں نے مومن آباد (پٹیالی) میں اقامت اختیار کر لی۔ یہیں ۶۵۱ھ[3] / ۱۲۵۳ء میں خسرو کی ولادت ہوئی۔ خُردسالی ہی میں انھیں مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ خُسرو شروع ہی سے خوش الحان اور شعر گوئی کی طرف مائل تھے۔ سات برس کی عمر میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے جو ایک جنگ میں مارے گئے تھے[4] اس کے بعد خسرو کی پرورش و تربیت ان کے نانا عماد الملک نے اپنے ذمے لے لی[5] عماد الملک بڑے صاحبِ طنطنہ امیر تھے اور ان کی محفل میں ہر قسم کے افراد، علما، شعرا اور اربابِ نشاط جمع رہتے تھے۔ اس قسم کی محفلوں میں شرکت کے سبب خسرو کو شعر گوئی اور موسیقی کا ذوق میسر آیا۔ سنِ بلوغت کو پہنچے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے حلقۂ ارادت میں آ گئے۔ کئی ایک زبانوں کے علاوہ خُسرو کو فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو اور مذہب ایسے علوم پر مہارت و دسترس حاصل تھی۔ شعر گوئی کے لیے انھوں نے ایران کے عظیم شعرا کا مطالعہ کیا اور ان کے طرز میں شعر کہنے کی کوشش کی۔

نانا کی وفات کے بعد خسرو پہلے شہزادہ علاءالدین کشلی خان کے دربار سے منسلک ہوئے اور بعد میں کسی بنا پر اس کی ملازمت ترک کر کے شہزادہ بُغرا خان کے پاس چلے گئے۔ اس طرح وہ یکے بعد دیگرے

---

[1] خسرو نے اپنے والد کو "سیف شمسی" کے نام سے یاد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو دیباچہ، دیوان غرۃ الکمال، ص ۶۸

[2] بزم مملوکیہ، ص ۲۸۸، ۲۹۱

[3] لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو، ص ۱۷

[4] دیباچہ دیوان غرۃ الکمال، ص ۶۹

[5] دکتر ذبیح اللہ صفا: تاریخ ادبیات در ایران جلد ۳، ص ۷۶۳

کئی درباروں سے منسلک رہے، مثلاً غیاث الدین بلبن، معزالدین کیقباد، جلال الدین اور فیروز شاہ خلجی۔ انھوں نے بعض جنگی مہموں میں بھی شرکت کی۔ چنانچہ ایک موقعے پر جب وہ ملتان میں شہزادہ محمد قاآن کے دربار میں تھے، منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے (اس لڑائی میں شہزادہ مذکور مارا گیا تھا)، ان کے گہرے دوست خواجہ حسن دہلوی بھی اُس وقت ان کے ساتھ تھے۔ دو سال کے بعد انھیں رہائی ملی تو دہلی لوٹ آئے۔

اپنی تمام تر درباری زندگی کے باوصف خسرو اپنے مرشد سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی مصاحبت سے غافل نہیں رہے، جس کے نتیجے میں انھیں خواجہؒ کے محرمِ اسرار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ خسرو جب بھی کوئی کتاب لکھتے، اپنے مرشد کو ضرور دکھاتے۔ سلطان المشائخ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ بقول دارا شکوہ کے وہ سلطان المشائخ کے مرید، محبوب، نفس ناطقہ اور منظورِ نظر تھے، اور شیخ انھیں "از جمیع مریدانِ خود زیاد می خواستند و می فرمودند کہ روز قیامت از ہر کسی خواہند پرسید کہ چہ آوردی، از من پرسند، خواہم گفت کہ سوزِ این ترکِ اللہ۔"[۵۶]

۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں جب کہ خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ لکھنوتی گئے ہوئے تھے، خواجہ نظام الدین اولیا وفات پا گئے۔ خسرو جب اس سفر سے واپس آئے تو مرشد کے غم نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ اس حادثے کے چھ ماہ بعد وہ خود بھی ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔[۵۸]

نظم و نثر کی کئی کتب ان سے یادگار ہیں۔ مثلاً پانچ دیوان، تحفۃ الصغر، وسط الحیات، غرۃ الکمال وغیرہ۔ سات مثنویاں: قران السعدین، دول رانی خضر خان، تاج الفتوح، نہ سپہر، تغلق نامہ، مطلع الانوار وغیرہ۔ نثر میں اعجاز خسروی، خزائن الفتوح اور افضل الفوائد۔

بقول صفا خسرو بلاشبہ برصغیر کے عظیم فارسی گو شاعر تھے اور فارسی کے شیریں سخن اور قادر الکلام شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صاحبِ اخبار الاخیار نے ان کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

---

۵۶ فوائد الفواد، چاپ لاہور، ص ۲۴۲ ۵۷ سفینۃ الاولیا، ص ۹۹

۵۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، ص ۱۰۱۔ سفینۃ الاولیا، ص ۱۰۰، تاریخ ادبیات در ایران جلد ۳، ص ۷۷۸، تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۰

"سلطان الشعرا و برہان الفضلا ... در سخن عالمی ست از عوالم خداوندی کہ پایان ندارد - سخن برطرز ... اصفہانیان"[۹] کہتے ہیں -

خسرو کے کلام میں طنز و مزاح، ہجو اور ذم و ہزل کا بھی عنصر ہے - خاص طور پر "اعجاز خسروی" کے رسالہ خامسہ کے بعض قطعات و رباعیات میں تو وہ عبید زاکانی کے ہم نظیر نظر آتے ہیں - ایک ایرانی مقالہ نگار کے مطابق امیر خسرو طنز گوئی اور مزاح میں بڑے ماہر ہیں اور انھوں نے سب کو طنز کے نوش و نیش سے ہنسایا یا رلایا ہے - انھوں نے اپنے طنز و مزاح حتیٰ کہ ہجو و ہزل اور ذم تمسخر کے تیروں سے شاید ہی کسی کو دور رکھا ہو - یہاں تک کہ وہ زمین یعنی مردوں سے لے کر افلاک تک پہنچے ہیں - انھوں نے اپنے معاشرے کے تمام طبقوں پر اپنے سحر طراز قلم کی نوک کا نیش چلایا - بنیادی طور پر خسرو نے طنز و مزاح گوئی اور ہجو و ہزل سرائی کے لیے، خود اپنے قول کے مطابق، ایک "خانہ پر از دشنام" تیار کر رکھا ہے، اور جس کسی نے بھی ان سے موافقت و ہمراہی نہیں کی، انھوں نے "دشنامہائے چہار خانہ" اس کی نذر کی ہیں - خسرو کے یہ طنزیہ و ہجویہ اشعار جہاں ہمیں ان کو بہ انداز میں پہچاننے اور جاننے کا موقع فراہم کرتے ہیں وہاں اس دور کے معاشرے کے حالات سے بھی آگاہ کرتے ہیں[۱۰]

خسرو نے اپنی ہر مثنوی میں اور بعض مواقع پر اپنے دواوین میں بھی اپنے حاسدوں، عیب جینوں، بخیلوں اور قدر نا شناسوں کی ہجو کی ہے، یعنی ان کے بیشتر ہجویہ اشعار اسی قسم کے لوگوں، بالخصوص اوّل الذکر دو گروہوں کے بارے میں ہیں - مثال کے طور پر انھوں نے مثنوی مجنوں و لیلیٰ کے آخر میں ایک حاسد کی مذمت بھی کی ہے اور اسے چیلنج بھی دیا ہے کہ تم کہ میرے کلام پر اعتراضات کرتے ہو جو تمھارے پاس ہے سامنے لاؤ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا - ان کے مطابق ان کا حاسد ایک ایسا تنکا ہے جو اطلس پر پشمینہ تحریر کرتا ہے، خود کو خوب و بہتر اور انھیں عیبوں سے پر جانتا ہے، حالانکہ اس کا اپنا کلام ہیچ و پوچ ہے جس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے - خسرو اسے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں : اور یہاں

---

۹ اخبار الاخیار، ص ۹۹

۱۰ "طنز گوئی امیر خسرو" از محمد حسین تسبیحی مشمولہ مجلہ ارمغان (تہران)، جلد ۴۴، شمارہ ۸، ۹

ہوں نے بڑی عمدہ اور نادر تشبیہ استعمال کی ہے کہ تو مجھے سوئی کی آنکھ سے دیکھتا ہے حالانکہ تیری
بی دوف جگہ جگہ سے پھٹی پڑتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے عیوب اور کوتاہیاں شاعر کی نسبت
یادہ ہیں۔ یہاں خسرو حاسد کی بے ہنری اور بے جا قسم کی ڈینگوں کا ذکر کرکے اسے ناچیز اور نظامی
ے بارے میں اس کی لاف زنی کو باطل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نظامی کا معترف ہوں لیکن
ری یہ ڈینگیں کچھ اس طرح ہیں جیسے کوئی شخص دوسروں کے دسترخوان پر اپنی بخشش و سخاوت کا
ننڈورا پیٹے۔ خسرو آخر تک اسی انداز میں اپنے حاسدوں پر تنقید کرتے چلے جاتے ہیں، پھر اس سے
دسروں کے ہنر میں عیب ڈھونڈنے کی بجائے اپنا ہنر دکھلانے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم
د جائے کہ وہ (حاسد) کتنے پانی میں ہے۔ اس طرح اس کی تمام ڈینگوں کا پول کھل جائے گا:

دانم بیقین کہ حاسد خس پشمینہ رقم کند بر اطلس
ای آنک بھی مرا نہی نام وز غورۂ خویش خوش کنی کام
از من نظرت بچشم سوزن واندر دف تو ہزار روزن
گر باز ہنر نہی میانیم باری تو بگوی تا بدانیم
دانم کہ بچاشنی این شہد گویی صد و پنجہی بصد جہد
لیکن ندود جنیبت لنگ پویان و دوان ہزار فرسنگ

دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں خسرو نے اپنے عیب چینوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ قطعۂ زیریں جو
ی دیباچے سے لیا گیا ہے، ان کا لہجہ کسی حد تک تند و تیز ہے۔ ان کے مطابق جو شخص ان کے اشعار
ں عیب نکالتا ہے دراصل اس کا اپنا حال ابتر اور عیوب سے پُر ہے۔ صرف ایک بدسرشت ہی
ن کے اشعار کو بُرا کہے گا۔ اس کے بعد خسرو شاعری میں اپنی شہرت بسیار کا ذکر کرکے یہ دعویٰ کرتے
ں کہ کوئی کس طرح میرے اشعار میں بُرائی ڈھونڈ سکتا ہے، جن کی اشاعت و شہرت دنیا کے ایک
وشے سے دوسرے گوشے تک پھیل چکی ہے۔ قطعے کے آخر میں ایک تمثیل کے ذریعے وہ اپنے عیب چیں
و ذلت و رسوائی کا سزاوار قرار دیتے ہیں۔ خسرو گویا آفتاب ہیں اور ان کا عیب چیں ایک ایسا شخص
ہے جو آفتاب پر [illegible] تھوکتا ہے لیکن آب ناک خود اس کے اوپر پڑتی ہے۔ اسی تمثیل نے قطعے میں ذرا
دلچسپی پیدا کی ہے ورنہ اس میں بجز سادگی کے کوئی دلچسپ بات نہیں ہے:

در کمال من آن کہ نقصان گفت — ہست نقصان حال ابتر او
بد نگوید نظم خسرو را — گوید آن کس بداست گوہر او
در صوابم کسی چہ عیب کند — کز عرب تا خطاست کشور او
ہر کہ در سوی آفتاب بیند — خاکی، انداخت خاک بر سر او

مثنوی مطلع الانوار کے آخر میں بھی حاسدوں اور عیب گویوں کو، کہ "تاریک دلانِ ضلالت" ہیں، بُرا بھلا کہا گیا ہے - ان اشعار میں ایسے قاری کو جو روشِ شعر سے آگاہ نہیں اور تیغِ زبان سے شعر کو قتل کرتا ہے اور ایسے ناقص لکھنے والے کاتب کو بھی جو مذکورہ قاری سے بھی بدتر ہے، رگید اگیا ہے۔ پھر ایسا حاسد اور عیب جو خسرو کی تیغِ زبانِ ہجو یہ کا نشانہ ہے جو ان دو قسم کے افراد سے زیادہ ستم کیش ہے - اور زیادہ تر اشعار انہی آخری دو قسم کے افراد کی ہجو میں ہیں - وہ عیب جو کو شوخ چشم، نا انصاف، بد از کینہ اور ایک ایسا انسان قرار دے کہ جو راستی و درستی سے دور رہے، ایسے پرندے سے تشبیہ دیتے ہیں جو خار خور (کانٹے کھانے والا) ہے اور تر خرما پر بھی کانٹے ہی تلاش کرتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے چشمِ ہنر بیں اور عیب چیں آنکھ کا باہمی موازنہ کر کے موخر الذکر کی مذمت کی ہے۔ ان کے مطابق آبِ رواں کی مانند جو خس و خاشاک سے پاک نہیں ہوتا، ہر شاعر کے اشعار عیب و ہنر سے خالی نہیں ہوتے، لیکن جو صاحبِ انصاف ہے وہ صرف اوصاف ہی پر نگاہ رکھتا ہے۔ سو اگر کوئی فرومایہ اور بے ہنر میرے کلام میں عیب ڈھونڈتا ہے تو کوئی پروا نہیں۔

اس کے بعد خسرو عیب چیں کو بے رحم، پست، ناکس، گھٹیا اور ایسا بھنگا کہتے ہیں جس کی اپنے عیبوں پر نظر نہیں ہوتی لیکن جو دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے میں مصروف رہتا ہے۔ ایسے احول سے تو اندھا بہتر ہے، اور ایسے کمینہ لوگوں سے منہ پھیر لینا ضروری ہے، اس لیے کہ اربابِ نظر فرومایہ اور پست ذہنیت کے لوگوں سے کچھ خوف زدہ ہی رہتے ہیں۔ اچھا شعر موتی کی طرح ہے اور ظاہر ہے جو شخص دیکھنے سے عاری ہے وہ اس کی قدر کیا جانے گا۔ اس لحاظ سے عیب چیں ایک گدھا ہے جس کی گردن تعویذ کے لائق نہیں۔

خسرو اسی طرح اپنے حاسدوں اور عیب جو لوگوں کو ہدفِ تنقید بناتے، خود کو حاسد سے برتر ثابت کرتے اور اپنے کلام کو بالواسطہ سراہتے ہیں، اور آخر میں اپنے کلام کو ایسی غذا سے تشبیہ دیتے ہوئے

جوئے سے تیار کی گئی ہے، کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ غذا کھائے اس کے لیے وہ حلال ہو اور جو حرام سمجھتا ہے اس پر حرام ہو۔ یہاں انھوں نے سرقہ مضمون کے ضمن میں ایک اچھوتی تشبیہ سے کام لیا ہے، کہتے ہیں کہ کتنا ایک انتہائی پلید جانور رہتا ہے، اگر وہ دسترخوانِ شعر سے گوشتِ مضمون اڑا لے جائے تو اس کے منہ سے وہ واپس نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ وہ مضمون ناپاک ہو چکا اور اب کسی کام کا نہیں رہا۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ جو کوئی دلیر ہے وہ عاجزوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا، وہ صرف کتا ہے جو شیر کا خوشہ چیں ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ان اشعار میں بعض نادر اور تازہ تشبیہات ہیں اور اس ہجو کو خسرو نے نظیعقی مطالعہ کے ساتھ ختم کیا ہے:

آنکہ کند چشم و قاحت فراخ ۔۔۔ سایۂ انصاف نہ بیند ز شاخ
کنہ لک کین را دیدہ از زہر آب ۔۔۔ حک نکند جز ہمہ نقش صواب
مرغ کہ در اصل بود خار خور ۔۔۔ خار خورد بر سر خرمای تر
ای کہ نظر سوی ہنر نیستت ۔۔۔ عیب بخود کن کہ نظر نیستت
کژ منگر کآئینہ بی کاست است ۔۔۔ کوری احول نظرم راست است
راست مدان کژ نظر دیدہ باز ۔۔۔ کور بہ از کاژ چو بیند باز
دوختنہ بہ دیدہ ازین ناکسان ۔۔۔ کاہل نظر چشم زند از خسان
دُر ز پی دیدن بی دید نیست ۔۔۔ گردن خر در خور تعویذ نیست

مثنوی قران السعدین کے آخر میں بھی عیب چینوں اور قدر ناشناسوں کو ذم آمیز کلمات اور طنز بھرے لہجے میں یاد کیا گیا ہے۔ ان اشعار میں بھی خسرو کا انداز اور لہجہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار میں ملاحظہ ہوا۔ وہ ایسے شخص کو جو دوسروں کے ہنر اور جوہر کی قدر و وقعت نہیں کرتا اور اسے کم تر قرار دیتا ہے، زنِ حائض سے بھی کم تر قرار دیتے ہیں:

از ہنرِ خود ہمہ کس دم زند ۔۔۔ آن کہ کم است او ہمہ را کم زند
جوہر ہر مرد کہ در عالم است ۔۔۔ کم زنِ او از زنِ حائض کم است

ذیل کے اشعار کہ مثنوی مجنون و لیلیٰ سے لیے گئے ہیں، پوچ گو، بیہودہ اور ناخوش سخن شاعر

کی ہجو میں ہیں۔ ان اشعار میں خسرو نے توضیح مطالب کے لیے جو ترکیبات، کنایات اور تشبیہات استعمال کی ہیں وہ بڑی دلکش اور نادر و پُر از جدت ہیں اور یہ بات ان کی مہارت و استادی پر دال ہے۔

خسرو ایسے شاعر کو جو پوچ گو ہے اور ڈھیلے ڈھالے شعر کہتا ہے لیکن صلہ و انعام کی بھی توقع رکھتا ہے گدھا کہتے ہیں۔ وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر گدھا دیر تک ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا رہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا ظاہر ہے اس سے سوائے سمع خراشی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایسے شاعر کے اشعار نکات سے خالی ہیں اور اس کی یہ قلم زنی تمام تر یاوہ ہے۔ اس کی کلک اگرچہ صریر پیدا کرتی ہے لیکن چونکہ نکتے سے خالی ہے اس لیے بوڑھے مغنیوں کی بانسری کی طرح ہے۔ خسرو کے نزدیک جس شعر میں رفعت و بلندی نہیں اسے ریش خند ہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ اس قسم کے نام نہاد شاعر کو انتہائی یاوہ گو انسان کہتے اور ایسے شعر کو جو نکتے سے عاری اور مضمون سے خالی ہو ایسے ساتے سے تشبیہ دیتے ہیں جسے ترازو میں تولا جائے یعنی یہ محض جھک مارنے کے مترادف ہے۔ آخر میں خسرو نے یاوہ گو شاعر کو ایک ایسے دیو سے تشبیہ دی ہے جو چار و ناچار کام کرنے کا خواہاں ہے لیکن حقیقت میں اُسے کام سے کوئی بہرہ حاصل نہیں:

ناخوش سخنی که بیش گوید — مزد آن که نه بیش بیش جوید
خر کو بفغان نمونه باشد — پس دیر کشد چگونه باشد
بدقی نه بس آنک سازه گیرد — وانگاه نوا دراز گیرد
بی نکته قلم زدن پیاپی — کز کردن باد باشد از نی
هر کلک تهی که در صریر ست — مزمار مغنیان پیرست
دریا چو بکوزه کم کند کس — در کوزه کنش که بس کند بس

قران السعدین کے مندرجہ ذیل اشعار میں مضمون چوروں کی تذمیم کی گئی ہے۔ ان اشعار میں مستعملہ بیشتر ترکیبات اور اصطلاحات کا تعلق چوری کے مذموم پیشے سے ہے۔ اور اس لحاظ سے ایک انوکھی بات ہوگی اور انوکھا انداز ہوگا جو کسی دوسرے شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے شاعر پر معنی دُزدی کی تہمت لگائی ہے، اسی بنا پر اپنے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ میں کوئی نہیں ہوں جو اپنے گھر (شعر) کو دوسروں کے دروازے کے فیض (معانی) سے آباد کروں۔ دُزدِ معانی اشعار کی تعداد ہر چند زیادہ ہی سہی لیکن ایسے اشعار بے وقعت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد خسرو نے

خطرے کا اظہار کیا ہے جو انھیں معانی چوروں سے ہے اور اسی خطرے کے باعث وہ اپنے روشن افکار و معانی باہر نہیں لاتے مبادا ایسے چور انھیں چُرا لیں۔ اُن کے مطابق ہر گوشے میں چند فریبی موجود ہیں جو ان کے معانی چُرا کر (ایسے اشعار) اپنے نام سے شائع کرتے اور خود اُن (خسرو) کے سامنے پڑھتے ہیں، اور طرفہ تر یہ کہ وہ ان سے تحسین و آفرین کی بھی توقع رکھتے ہیں۔ یہاں خسرو نے ان لوگوں کی بے شرمی اور ڈھٹائی کا اپنی شرم و حیا سے موازنہ کیا ہے کہ کس بے حیائی کے ساتھ وہ ان کے سامنے انھی کے معانی و مضامین کے حامل اپنے اشعار پڑھتے ہیں اور وہ (خسرو) بے چارے شرم و مروت اور پاسِ آدمیت کی خاطر خاموش رہتے ہیں۔ آخر میں خسرو نے ایسے احساسات کا اظہار کیا ہے جن سے ان کی ایسے دھوکا بازوں سے بے خوفی کا بھی پتا چلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ فریب کار چراتے ہوئے معانی سے استفادہ کرتے ہیں لیکن جوہر شناس فوراً تاڑ جاتے ہیں کہ یہ معانی کسی اور کی ملکیت ہیں۔ ایسے فریب کار کو خسرو اس سفلے سے تشبیہ دیتے ہیں جسے تاجِ شاہی کا کوئی موتی ہاتھ لگ جائے اور وہ اُسے چھپا نہ سکے۔ وہ معانیِ بلند کو آبِ زلال کی مانند قرار دیتے ہیں جس کا ہر کوئی سزاوار نہیں ہوتا۔

یہ تمام اشعار بڑے سادہ و رواں ہیں اور ان میں جن دلکش و جالب تشبیہات سے کام لیا گیا ہے ان سے قدرتِ بیان میں اضافہ ہوا ہے:

دزد نہ ام خانہ بر دیگری — خانہ کشادہ زدہ بر دیگری

قلب زنی چند بہر گوشہ ہست — کز زر من پارہ دہندم بدست

نقب زدہ گنجِ نہان مرا — مرغ شدہ ریزۂ خوان مرا

دزدِ متاعِ من و با من بجوش — شان بزبان آوری و من خموش

خانۂ فکرم ہمہ روزن کنند — جستن احسنت ہم از من کنند

شرم ندارند و بخوانند گرم — با من و من ہیچ نگویم ز شرم

خسرو کے نزدیک حصولِ علم بہت بڑا کام ہے۔ لیکن عالم بے عمل کسی تعریف و توصیف کے لائق نہیں۔ ایسا علم جو احمقوں کو فریب دینے کے کام آئے قابلِ مذمت ہے اور اس قسم کا عالم غدار بھی ہے اور احمق سے کم تر بھی۔ خسرو اسی طرح بے ہنروں پر بھی تنقید کرتے اور انھیں انسانوں کے زمرے سے باہر سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق بے ہنر خرِ مگس کی طرح ہے جو زیادہ تر گدھے ہی کے ساتھ رہتی ہے، لہٰذا

اسے آدمی اور آدمیت سے کیا سروکار، انھیں تو انسان کی تلاش ہے:

کار بزرگیست کہ خوانند علم ‌‌‌‌‌ بی عمل آن کار مپسند ار بہ

علم کہ از بہر فریب خرانست ‌‌‌‌‌ ... خر از عالم غدار بہ

نزد من نیست آدمی ہر کس ‌‌‌‌‌ مگر آنکس کہ صاحب ہنراست

من یکی آدمی ہمی جویم ‌‌‌‌‌ چکنم خرکس کہ یار خراست

ایک قطعے میں اس شخص کو گدھا قرار دیا گیا ہے جو کسی احمق سے اخلاق اور ادب کی توقع رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے تو ارباب خرد ہی آراستہ ہوتے ہیں۔ آخر میں خسرو کہتے ہیں کہ میرے نزدیک آدمی صرف وہی شخص ہے جو میرے جتنی موسیقی جانتا ہو۔ اور اگر وہ اتنی موسیقی نہیں جانتا تو اُسے چاہیے کہ مجھ سے سیکھے بصورت دیگر وہ بھی گدھا ہوگا۔ یہ مضمون بھی صرف خسرو کے یہاں ملتا ہے، اور اس سے ان کی موسیقی سے بے حد وابستگی و دلچسپی کا پتا چلتا ہے:

حسن اخلاق از خردمندان توان کردن طلب ‌‌‌‌‌ خر بود آن کو ادب جستن بسنوی خر بود

من کسی را آدمی دانم کہ داند این قدر ‌‌‌‌‌ ور نداند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

قران السعدین کے آخر میں خسرو نے بخیلوں اور خسیسوں کو رگیدا ہے۔ اس ہجو میں انھوں نے بعض صنائع لفظی بالخصوص تضاد، تلمیح اور تمثیل سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان اشعار میں جوشِ بیان بھی ہے اور دلچسپ مبالغہ و اغراق بھی۔

شاعر کو بخیلوں اور سفلہ لوگوں سے کچھ بھی میسر نہیں آیا۔ اسی بنا پر اس کا دل شاعری سے سرد پڑ گیا ہے اور وہ اس بات سے سخت نالاں ہے کہ کسی فائدے اور منفعت کے بغیر، محض شاعری کے سبب، اسے طعنہ زنوں اور عیب چینوں کے تیروں کا نشانہ بننا پڑا ہے۔ شاعر کے نزدیک یہ ممدوحان بخیل جنھیں اس نے مدح میں سکندر کی سی حیثیت دی تھی، حقیقت میں گدا ہیں یا ایسے گدھے کی مانند ہیں جن پر وہ خلعت عیسٰی ڈالتا ہے۔ وہ اپنے ہم عصر نام نہاد دولت مندوں کو، کہ زر اندوز دتا نبا اور ناقص عیار ہیں، ایسے کور دل، گراں گوش اور سفلہ رو سمجھتا ہے جو کوتاہ نظر ہیں اور ناموس کے متلاشی اور کمینہ صفت ہیں، ان کی دولت ان کے دل سے بھی زیادہ تاریک اور اندھی ہے۔ چونکہ ان میں عقل و ہوش کی کمی ہے اس لیے کوتاہ چشمی اور دراز گوشی ان کے لیے لازم ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ کسی چیز کو اپنی نگاہ

سے نہیں دیکھتے اور لوگوں کی گفتار کی صحت و عدم صحت کو صحیح طور پر نہیں جانچتے پرکھتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے خسرو غصے کے عالم میں دانت پیس پیس کر ان کنجوس امرا کو کوسنے دے رہے ہوں۔ اپنا غصہ فرو کرنے کے لیے وہ عجیب و غریب تشبیہات اور تکلیف دہ الفاظ و القاب سے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں اور ہر لمحے ان کے غصے میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اب وہ کہتے ہیں کہ یہ نام نہاد محتشم حضرات لاف زنی میں تو حاتم اور رستم ہیں لیکن جب بخشش اور جنگ کا موقع آتا ہے تو ڈرتے اور مال کو چھپاتے پھرتے ہیں۔ ہاتھ سے پھوٹی کوڑی نہیں نکالتے مگر یہ چاہتے ہیں کہ وہ نام اور مرتبے سے نوازے جائیں۔

پھر خسرو مختلف امثال سے ان لوگوں کی بخیلی اور طمع و حرص کی تصویر کشی کرتے ہیں کہ کس طرح وہ معمولی سی چیز عطا بھی کر دیں تو اس کے جواب میں بہت بڑی چیز کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خسرو نے ایک منعم اور صاحب دل کی تمثیل سے اپنے اس مطلب کی وضاحت کی ہے۔ کسی دولت مند نے ایک صاحب دل کو دیناروں کی ایک تھیلی دے کر کہا کہ میرے حق میں دعا کر کہ میری دولت میں اضافہ ہو۔ صاحب دل نے اسے تھیلی لوٹاتے ہوئے کہا کہ یہ تھیلی واپس لے لو کہ تم مجھ سے زیادہ مفلس ہو۔

چونکہ یہ کنجوس اور بخیل امرا بخشش و سخاوت کی صفت سے عاری اور ہمت و مردانگی سے خالی ہیں، اس لیے خسرو انھیں آدمیوں کی صف ہی سے باہر شمار کرتے ہیں اور آخر میں وہ اپنے دور کے بخیل ارباب حشمت کے متعلق اپنے ان بیانات کو بالکل صحیح اور خالی از مبالغہ قرار دیتے ہیں:

چونکہ جہان پر ز خسیس ست و خس	روی نمی نایدم از ہیچ کس
گرمی دل نیست چو حاصل مرا	سرد شد از آب سخن دل مرا
نام گدای کنم اسکندری	خلعت عیسی فگنم بر خری
محتشمانند درین روزگار	مس زر اندودۂ ناقص عیار
کور دل از دولت و کوتہ نظر	دولتشان از دل شان کورتر
گوش گرانی ہمہ ناموس جوی	سفلہ وش و دون صفت و تنگ خوی
لازم شان گشت ز نقصان ہوش	کوتہی چشم و درازی گوش
حاتم و رستم شدہ در جای لاف	چون زن حائض کہ بجود و مصاف
بی کرمی نام فروشی کنند	بی گہری مرتبہ کوشی کنند

خوردہ بد رویش نیارند پیش بیش رسانند بدانجا کہ بیش
شاخ گلی تحفہ مر او را کنند کز پی باغیش تقاضا کنند
گر مگسی باشد و شان خوان نشین سر کہ دہند و طلبند انگبین
گر برسانند مثل بر گدای یک درمی دہ طلبند از خدای
آن کہ ندارد صفت مردمی نیست بر آدمیان آدمی
خاصہ کسانی کہ بہمت کم اند ظن نبرم کز نسب آدم اند

ایک قطعے میں چغل خور کو ہجو و نکوہش کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہاں خسرو کا لہجہ کسی قدر تند ہے۔ اس قطعے میں حروف "م" اور "ن" کی تکرار سے موسیقی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

وہ چغل خور کو سگِ گزیدہ قرار دے کر ایسے بھیڑیے سے تشبیہ دیتے ہیں جو انسانوں کا خون سیر ہو کر پیتا ہے۔ پھر وہ اپنے قاری کو چغل خور کی خاموشی اور سکوت سے خبردار رہنے کو کہتے اور اس چغل خور کے بند منہ کو اژدہے کے جبڑے اور ریسن کے کھلنے کے مثل بتلاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر چغل خور کبھی خاموش رہتا ہے تو اس سے خود کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ ایسے موقعے پر وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے:

ساعی سگ گزید کہ چون گرگ می خورد خون مردمان را سیر
از سخن وقتی ار دہان بندد زان مشو ایمن و مباش دلیر
کہ خموشی آن دہان بستہ است فاترۂ اژدہا و خندۂ سیر

خسرو نے ہندوؤں کو قریب سے دیکھا اور ان کے ساتھ میل جول بھی رکھا تھا، اسی بنا پر وہ ان کے بعض جاہلانہ اعتقادات اور رسوم سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ اپنے بعض اشعار میں انھوں نے ایسے ہی اعتقادات و رسوم کا ذکر کر کے ان پر چوٹ کی ہے۔ مثلاً یہ کہ گائے ہندوؤں کے نزدیک ایک مقدس جانور ہے اور اس کے اسی تقدس کے باعث وہ اس کے بول و براز کو بھی متبرک جانتے ہیں اور جیسا کہ مشہور ہے یہ لوگ تیمن و تبرک کی خاطر اپنے بعض کھانوں میں اس کا گوبر ڈالتے۔ بول پیتے اور برتنوں کے [illegible] پر ملتے ہیں۔ پھر یہ کہ کوّے ایسے پرندے سے بھی جسے اکثر لوگ نجس اور نحس گردانتے ہیں، یہ لوگ فالیں لیتے ہیں، اور گدھے کی آواز کو، کہ ایک احمق جانور سمجھا جاتا ہے، نیک فال جانتے ہیں۔ (اور یہ سب کچھ آج کے متمدن دور میں بھی ہو رہا ہے)۔ خسرو ان رسوم و اعتقادات کے سبب انھیں

بے عقل قرار دیتے ہیں۔ دوسرے شعر میں خسرو نے ہندی لفظ "شگن" استعمال کر کے شعر کو گویا مقامی رنگ دیا ہے:

ہندوان را مشمر ز آدمیان — کہ گُہِ گاو تبارک گیرند
زاغ کہ خوار، بہنگام شگن — بہتر از طوطی و شارک گیرند
بوالعجب کو نخرانی کہ ز جہل — بانگِ خر فال مبارک گیرند

اشعار ذیل میں بھی ہندوؤں کی ذم کا پہلو نکلتا ہے:

سرِ تواضع سود ندپیش من بزمین — چنانکہ ہندو در پیش تو دہ سرگین
ز ملاحانِ ہندو سادہ پسنتر — ز جا سوسانِ کافر حیلہ کس تر

اعجازِ خسروی کے رسالۂ خامسہ کے بعض اشعار و قطعات سے پتا چلتا ہے کہ خسرو کے لیے کرائے کا مکان ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہزل کے رنگ میں کھل کر کہہ گئے ہیں کہ تو مجھے مکان کرائے پر دے یا نہ دے میں تجھے فلاں چیز کرائے پر نہ دوں گا۔

ذیل کے مزاحیہ قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی مالکۂ مکان نے انھیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں انھوں۔ نے اسے یہ دھمکی دی ہے کہ وہ اس کے شوہر کی ہجو کہیں گے۔ اور ان کی یہ تہدید بھی ایک طرح کی مذمت ہے۔

خسرو مکان کی مالکہ کے سامنے خود کو عاجز پاتے ہیں۔ وہ اس کے سلوک سے اس قدر پریشان ہو چکے ہیں کہ وہ مکان ان کے لیے بیمار خانہ بن کے رہ گیا ہے۔ وہ خود کو ایک ایسا اچھا اور بے نظیر "ہم خانہ" یا کرایہ دار بتاتے ہیں جو جہاں اور جس وقت چاہے مکان کرائے پر لے سکتا ہے۔ اپنی اس تعریف و توصیف کے بعد خسرو، قلم، دوات اور اپنی قوتِ طبع کا ذکر کر کے اس بڑھیا کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ "مارخانہ" (سانپ کے بل) میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ مطلب یہ کہ ہجو سے ڈرے اور خاموش رہے۔ بصورتِ دیگر اس کے شوہر کی "مدح" دور دور تک پھیلا دی جائے گی اور یہ "مدح"، "چار خانہ" گالیوں سے پُر ہوگی۔

اس قطعے کے ردیف و قوافی نے بھی مزاح کی چاشنی میں اضافہ کیا ہے:

تو بیرون کردیم زین خانہ ای زال — بلب چون مست در خمار خانہ

کہ عاجز ماندم از چون تو حریفی — چو یکتا مہرہ در مردار خانہ
زبس کز دست تو دیوانہ گشتم — مرا این خانہ شد بیمار خانہ
ترا ہمخانہ چون من نباشد — مرا زینسان بود بسیار خانہ
قلم ہست و دوات و قوت طبع — مکن دست بلا در مار خانہ
خمش کن ورنہ مدح خواجہ تو — دہم در دفتر سرکار خانہ
یکی خانہ پُر از دُشنام بخشم — ہمہ دشنامہای چار خانہ

مندرجہ ذیل دو قطعات بھی گھر ہی کے متعلق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جس گھر میں خسرو رہتے تھے اس میں دیگر کرائے دار بھی تھے۔ چنانچہ پہلے قطعے میں وہ اپنے ایک ہم خانہ حبشی کی ہجو کرتے نظر آتے ہیں۔ اس حبشی نے اپنا ایک دروازہ مالک کی طرف کھول رکھا ہے۔ خسرو کے لیے اس کی یہ حرکت ناگوار اور تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا وہ اس کے خلاف اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس شوم گدھے کو اچھی خاصی بددعا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس حبشی نے ایک در کھولا ہے یارب تو اس کے سات در (ناک، کان، آنکھ، منہ وغیرہ) کھول دے۔

دوسرے قطعے میں بھی اسی انداز میں مالک مکان کی مذمت کر کے اس کے حق میں بددعا کی ہے۔ اس قطعے سے یہ ٹپکتا ہے کہ مالک نے خسرو سے مکان خالی کرا کے چابی کسی اور کے حوالے کر دی ہے اور اس امر نے خسرو کو دوسرے آدمی کی ہجو پر مجبور کر دیا ہے، کیا عجب بات ہے کہ آج کے مالک مکانوں کے ہتھکنڈے بھی کچھ اسی ڈھب کے ہیں۔ گویا صدیوں پہلے کے انسان اور آج کے نام نہاد مہذب انسان کے مزاج اور افتادِ طبع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

خسرو نے مذکورہ گھر کو بہشت سے، خود کو آدم سے اور دوسرے آدمی کو ابلیس سے تشبیہ دی ہے۔ یوں انھوں نے قرآنی تلمیح سے کام لے کر قطعے کو دلچسپ بنا دیا ہے:

ہمخانہ من آن زنگی شوم خرک — وز خواجہ خود بہر دری خانہ پرک
بگشاد بمن یک در خود را بر او — یارب تو گشادہ دار بر ہفت درک
زبہر ناکسی بی جرم ازین جای — رہی را رخت در دامن نہادی
ز آدم بستدی زینسان بہشتی — کلیدش در کف ابلیس دادی

دریں خانہ کہ جای شادیی نیست　　مبادی بی غم و ہرگز مبادی

"مستغرق نعمت" اور کم سرمایہ دونوں خسرو کی ذم کا ہدف بنے ہیں۔ اول الذکر مال و مکنت میں غرق ہونے کے سبب خاموش ہے جبکہ موخر الذکر شہرت و ناموری کی خاطر خالی ڈھول کی طرح غوغا مچا رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تجارت کے لحاظ سے ایک کا طریقہ مچھلی کی خاموشی ہے اور دوسرے کا طریقہ مینڈک کا ٹرانا۔ اس قطعے میں دونوں استعارے، بالخصوص خاموشی ماہی، نادر، انوکھے اور دلچسپ ہیں:

یکی مستغرق نعمت خموش است　　یکی زاندک بنام و نام خواہیست

طراق ہر دو از روی تجارت　　خروش غوک و خاموشی ماہیست

خسرو نے بعض مثنویوں میں اپنی دختر کو کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ ان نصیحتوں کے دوران انھوں نے عورتوں کی بعض اچھی اور بری صفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ گویا اس طرح ایسے اشعار میں عورتوں کی مذمت آگئی ہے۔ چونکہ وہ پردے کے حامی ہیں، اس لیے پسند نہیں کرتے کہ عورتیں گلی کوچوں میں نکلیں۔ وہ کوچہ گرد عورت کو سگ مادہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق ایک کوچے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کوچے میں جانا بلی کی عادت ہے۔ آدمی کو تو وہ خوب کرداری کا سبب جانتے ہیں لیکن عورتوں سے اس کی توقع رکھنے کو تعجب کی بات کہتے ہیں۔ خسرو بدکار عورتوں کی غلیظ باتوں اور گالیوں کو طنزیہ انداز میں "ترنم" کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ عورتوں کے بعض پسندیدہ مشغلوں کو فتنہ و خرابی اور بے راہروی کی علامت قرار دیتے ہیں:

زن کہ در کوچہا بہ تگ باشد　　زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

کم دود مادہ شیر خون آشام　　گربہ باشد جہندہ بام ببام

زن کہ در روزنش شتاب بود　　بفتد گرچہ آفتاب بود

مرد کردار خوب را سبب است　　خوب کرداری از زنان عجب است

تلخ گویند ارچہ نوش لبان　　تانگیری ترنم جلبان

بادپیچ و دفی کہ لعب زنست　　بروی این چنبر است وآن رسنست

دف شان بہر اس شمن و دوست　　فتنہ را بانگ می زند در پوست

آنکہ اول سرود سادہ بود　　در نہایت صلای بادہ بود

ذیل کے اشعار میں دنیا اور اہلِ دنیا پر تنقید کی گئی ہے۔ یہ اشعار سادگی و پُرکاری کا اچھا نمونہ ہیں۔ خسرو اس دنیا کو پُر از فریب جانتے ہیں جس سے رنج و محن اور ہلاکت کے سوا کوئی آسودگی حاصل نہیں۔ پھر وہ اسی بات کو کنایۃً واضح کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانے کے دسترخوان پر موجود ہر پیالے نوالے میں زہر پنہاں ہے اور اس کے ہر گل سرخ کے دامن میں کانٹے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس دنیا میں ہر مسرت و شادمانی آخر غم و الم اور گریہ و زاری پر منتج ہوتی ہے، اور چونکہ اہلِ دنیا بھی دنیا کی طرح بے وفا ہیں، اس لیے ان سے کسی قسم کی خیرخواہی اور وفا کی توقع رکھنا خام کاری ہوگی:

دانی کہ جہان فریب ناک است — آسودگیش غم و ہلاک است

ہر کاسہ کہ خوان دہر دارد — پنہان بنوالہ زہر دارد

ہر سرخ گلی کہ در بہاریست — در دامن او نہفتہ خاریست

خامست امید نیک رایان — از عالم و عالم آشنایان

چون اہل زمانہ را وفا نیست — زایشان طلب وفا روا نیست

مثنوی مطلع الانوار میں کئی ایک اشیا اور انسانوں کی ہجو و ذم میں اشعار آئے ہیں۔ یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق صرف ان چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اعجاز خسروی کے رسالہ خامسہ میں بھی خسرو نے بعض عمومی موضوعات کو ہزل اور طنز کے انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ موضوعات نثر میں بیان ہوئے ہیں لیکن تاکید اور موضوع کی مزید وضاحت کے لیے خسرو نے اشعار بھی دیے ہیں جو رباعیات و قطعات کی صورت میں ہیں۔ ایسے بیشتر اشعار بھونڈے مزاح اور بیگانہ ہزل کے حامل ہیں جو ایک صوفی منش اور شیخ صفت شاعر سے کچھ عجیب معلوم ہوتے ہیں۔